سیّد اسرار الحق سبیلی

اسسٹنٹ پروفیسر وصدر

شعبۂ اردو، گورنمنٹ ڈگری اینڈ پی جی کالج، سِدّی پیٹ، تلنگانہ، ہندوستان

سر سیّد اور بچوں کا ادب

ABSTRACT

Urdu`s juvenile literature and impact of Sir Syed Ahmed Khan on it: An Overview

By Dr Syed Israr Ul Haq Sabeeli, Assistant Professor & Head of Urdu Department, Govt. Degree & PG College, Siddipet, Tilangana, India.

Sir Syed Ahmed khan was a personality in the sub- continent who not only inspired people but nations through his imperative thinking pattern and working style. His nature and thoughts have been a matter of debate since long, but nobody could deny his tireless efforts for the Muslims of South East Asia. His impact on literary milieu of his times could also be noticed through his compatriots such as Shibli, Hali Nazeer Ahmed and Azad. Sir Syed has also put the impact of his movement on Juvenile literature of Urdu. This article narrates that how Sir Syed has changed the pattern of the literary prose of his times while focusing on the message and asked others to follow which eventually helped Urdu writers to create literature for children as well. The researcher has also traced down the efforts of Sir Syed`s contemporaries in juvenile literature, but suggested that this was Sir Syed`s intellect who supported them to do so.

سر سیّد احمد خان (۱۸۱۷۔۱۸۹۸ء) ایک عہد ساز شخصیت اور گونا گوں صلاحیتوں کے مالک تھے۔انتہائی خلوص اور دردمندی کے ساتھ ان میں قوم وملّت کی اصلاح، ہم دردی اور ترقّی کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، اور اسی جذبہ وہمّت کے تحت انھوں نے وہ قومی وملّی خدمات انجام دیں، جن کی ہمت ان کے پیش رو بادشاہوں اور حاکموں نے نہیں کی۔

سرسید دراصل ایک سماجی مصلح تھے، اور قوم وملّت کی فکری، عملی، علمی اور ادبی بے راہ روی اور کوتاہی کی اصلاح و تہذیب کو ایک ہمہ گیر تحریک کی شکل دے کر پوری قوم کی علمی، ادبی اور اخلاقی اصلاح کے لیے ہمہ تن مصروف رہے۔

یوں تو سرسید کی علمی وادبی خدمات پوری قوم وملت کے لیے قیمتی سرمایہ ہیں۔انھوں نے اپنی تحریک اور تقریر وتحریر سے پوری قوم کو متاثّر کیا، جن میں نوخیز نسل بھی شامل ہے، نیز ان کے یہاں فکری وادبی موضوعات میں بڑا تنوّع ہے، جن میں ادبِ اطفال کو بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔

آج ہم ادبِ اطفال کے حوالہ سے سرسید کی تحریروں کا جائزہ لیں گے۔سرسید نہ صرف ایک ادیب، انشا پرداز اور

مضمون نگار تھے، بلکہ وہ ادیبوں، شاعروں اور انشا پردازوں کو صحیح رخ عطا کرنے والے اور ان کی مناسب تربیت و رہ نمائی کرنے والے تھے۔[۱] انھوں نے اردو نثر کو اجتماعی مقاصد سے آشنا کیا، اور اس کو سہل و سلیس بنا کر اجتماعی زندگی کا ترجمان اور علمی مطالب کے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ سرسید کے زمانہ میں نثر میں عموماً طرزِ بیان کو اوّلیت اور مضمون و معنیٰ کو ثانوی حیثیت دی جاتی تھی، سرسید نے مضمون کو اوّلیت دی، اور تکلّف، تصنّع، تسجّع، قافیہ بندی اور نری عبارت آرائی کے خلاف آواز بلند کی۔[۲]

بقولِ سرسید: اس وقت اردو نثر میں لفّاظی، عبارت آرائی، جھوٹ اور مبالغہ کے سوا کچھ بھی نہ تھا، سرسید نے مدّعا نگاری پر زور دیا اور عبارت آرائی کو رد کر کے سادہ، مدلّل اور واضح انداز میں اظہارِ خیال کو اپنا کر جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالی۔[۳]

ادبِ اطفال میں بچّوں کی نفسیات، لفظیات، ان کی ذہنی و علمی سطح اور ان کی پسند و ذوق کی رعایت کرتے ہوئے باقاعدگی اور شعوری کوشش کے ساتھ بچّوں کا ادب تحریر کرنے والوں میں بلاشبہ محمّد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی اور ڈپٹی نذیر احمد اوّلیّت کا درجہ رکھتے ہیں، لیکن ان تمام شعوری کوشش و کاوش کے پیچھے سرسید اور ان کی تحریک کا بڑا ہاتھ ہے۔[۴]

سرسید کے مضامین کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں بچّوں کی نفسیات، عادات، فطری اور جبلّی خواہشات کا بخوبی علم تھا، اور وہ اپنے مضامین میں بطورِ مثال و تمثیل ان فطری خواہشات کا اظہار کر کے ملک و قوم کے بچوں اور بڑوں کی اصلاح و تہذیبِ نفس کا کام لیتے تھے، چناں چہ اپنے مضمون ''امیّد کی خوشی،، میں کتنے دل چسپ تمثیلی انداز میں امید کی خوشی و مسرّت کا اظہار کیا ہے:

> دیکھ ناداں بے بس بچہ گہوارہ میں سوتا ہے۔ اس کی مصیبت زدہ ماں اپنے دھندے میں لگی ہوئی ہے، اور اس گہوارہ کی ڈوری بھی ہلاتی جاتی ہے۔ ہاتھ کام میں اور دل بچے میں ہے اور زبان سے اس کو یوں لوری دیتی ہے۔ سورہ میرے بچے سورہ، اے اپنے باپ کی مورت اور میرے دل کی ٹھنڈک سورہ۔ اے میرے دل کی کونپل سورہ۔ بڑھ اور پھل پھول، تجھ پر کبھی خزاں نہ آنے پائے۔ تیری ٹہنی میں کوئی خار کبھی نہ پھوٹے۔ کوئی کٹھن گھڑی تجھ کو نہ آوے۔ کوئی مصیبت جو تیرے ماں باپ نے بھگتی تو نہ دیکھے۔ سو میرے بچے سورہ۔ میری آنکھوں کے نور اور میرے دل کے سرور میرے بچے سورہ۔ تیرا مکھڑا چاند سے بھی زیادہ روشن ہوگا۔ تیری خصلت تیرے باپ سے بھی اچھی ہوگی۔ تیری شہرت، تیری لیاقت، تیری محبت جو تو ہم سے کرے گا آخرکار ہمارے دل کو تسلّی دیں گی۔ تیری ہنسی ہمارے اندھیرے گھر کا اوجالا ہوگی۔ تیری پیاری پیاری باتیں ہمارے غم کو دور کریں گی۔ تیری آواز ہمارے لیے خوش آیند راگنیاں ہوں گی۔ سورہ میرے بچے سورہ۔ اے ہماری امیّدوں کے کے پودے سورہ۔[۵]

مذکورہ اقتباس کو سرسید کی نثری لوری قرار دیا جاسکتا ہے۔ دراصل لوریوں سے ہی بچوں کے ادب کی ابتداء ہوئی ہے۔اس اقتباس سے بچے کی نفسیات، بچے کے تئیں ماں کے حسین جذبات اور ماں اور بچے سے متعلّق سرسید کے گہرے مشاہدات کا اندازہ ہوتا ہے۔

سرسید نے اسی مضمون میں بچے کے تدریجی نشوونما،اس کے ادھورے الفاظ،مکتب کی تعلیم،رات میں سبق کا اعادہ،ماں باپ کی دینی وروحانی تربیت،معصومیت،خلوص اور بے ریا عبادت کا ذکر نہایت پر کشش تمثیلی اسلوب میں کیا ہے:

> یہ امیّد کی خوشیاں ماں کو اس وقت تھیں جب کہ بچہ غوں غاں بھی نہیں کرسکتا تھا۔مگر جب وہ ذرا اور بڑا ہوا اور معصوم ہنسی سے اپنی ماں کے دل کو شاد کرنے لگا اور اماں اماں کہنا سیکھا،اس کی پیاری آواز ادھورے لفظوں میں اس کی ماں کے کان میں پہنچنے لگی۔آنسوؤں سے اپنی ماں کے آتشِ محبّت کو بھڑکانے کے قابل ہوا۔پھر مکتب سے اس کو سروکار پڑا۔ رات کو اپنی ماں کے سامنے دن کا پڑھا ہوا سبق غم زدہ دل سے سنانے لگا۔اور جب کہ وہ تاروں کی چھاؤں میں اٹھ کر ہاتھ منھ دھو کر اپنے ماں باپ کے ساتھ صبح کی نماز میں کھڑا ہونے لگا اور اپنے بے گناہ دل، بے گناہ زبان سے بے ریا خیال سے خدا کا نام پکارنے لگا۔تو امید کی خوشیاں اور کس قدر زیادہ ہوگئیں۔اس کے ماں باپ اس معصوم سینہ سے سچی ہمدردی دیکھ کر کتنے خوش ہوتے ہیں۔(۶)

اس اقتباس سے اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید نے اس تمثیل سے نہ صرف امید کی خوشیاں جگائی ہیں، بلکہ اس کے جلو میں بچوں کی اچھی تعلیم وتربیت کی عظیم ذمے داری سے بھی وہ غافل نہیں ہوئے ہیں۔

سرسید کی ایک تمثیلی کہانی: گزرا ہوا زمانہ،، ہے،جس میں بچوں کو وقت برباد نہ کرنے کی ترغیب دینے لیے ایک بچہ کو خواب میں بوڑھا بنا ہوا دکھایا گیا ہے،وہ بوڑھا اپنی پچھلی زندگی پر افسوس کرتا ہے کہ کاش اس نے وقت کی قدر کی ہوتی،نیکی اور بھلائی کے کام خلوص کے ساتھ کیا ہوتا تو بڑھاپے میں افسوس کا سامنا نہیں کرنا پڑتا،وہ خواب میں رونے لگتا ہے،اس کی ماں اسے پیار سے جگاتی ہے،اور اس بوڑھے کی طرح وقت کی ناقدری کر کے بعد میں پچھتانے سے بچنے کا مشورہ دیتی ہے اور ایک نئے حوصلے کے ساتھ زندگی کی شروعات کرنے کی تاکید کرتی ہے۔(۷)

بچوں کی کہانیوں میں اس طرح کا ڈرامائی اورافسانوی انداز بہت متاثّر کن ہوتا ہے،بچے اسے دل چسپی سے پڑھتے اور اثر قبول کرتے ہیں۔اس تمثیلی کہانی میں بچہ کے لڑکپن سے کر جوانی،اڈھیر پن اور بڑھاپے کی حالت بیان کی گئی ہے،لڑکپن کے زمانہ کی ریوڑی اور مٹھائی،ماں باپ کا پیار اور مکتب کی شرارت یاد آتی ہے۔جوانی میں ماں باپ کی نصیحت اور نیکی وخدا پرستی کی باتوں کو ٹال دینا،ماں کو رنجیدہ رکھنا،باپ کو ناراض کرنا، بھائی بہن سے بے مروّت رہنا،دوست آشنا کے

ساتھ ہم دردی نہ کرنا یاد آتا ہے۔ادھیڑپن کے زمانہ کی نیکی کو جب وہ یاد کرتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کے ذاتی اعمال کا اسی پر خاتمہ ہوگیا،بھوکے پھر ویسے ہی بھوکے ہیں،مسجدیں ٹوٹ کر کھنڈر ہیں،یا پھر ویسے ہی جنگل ہیں،کنویں اندھیرے پڑے ہیں،نہ پیر نہ فقیر کوئی اس کی آواز نہیں سنتا اور نہ مدد کرتا ہے،اس کا دل پھر گھبراتا ہے،اور سوچتا ہے کہ میں نے کیا کیا جو تمام فانی چیزوں پر دل لگایا۔بڑھاپے میں اب اس کو اندازہ ہوا کہ اس نے اپنی پچپن برس کی عمر میں کوئی کام بھی انسان کی بھلائی اور کم سے کم اپنی قومی بھلائی کا نہیں کیا تھا،اس کے تمام کام ذاتی اغراض پر مبنی تھے،خاص قومی بھلائی کے لیے خالص نیّت سے کچھ بھی نہیں کیا تھا۔کہانی کے آخر میں سرسید قوم کے بچوں کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

> پس اے میرے پیارے نوجوان ہم وطنو اور اے میری قوم کے بچو!اپنی قوم کی بھلائی پر کوشش کرو تا کہ اخیر وقت میں اس بڈھے کی طرح نہ پچھتاؤ۔ہمارا زمانہ تو اخیر ہے۔ اب خدا سے دعا ہے کہ کوئی نوجوان اٹھے اور قوم کی بھلائی کوشش کرے۔آمین(۸)

اس طرح اس تمثیلی کہانی کے ذریعہ سرسید نے بچوں کو بالواسطہ نصیحت وعبرت،دینی و روحانی تربیت اور صدق وخلوص کا درس دیا ہے،اور قومی بھلائی اور فلاح و بہبودِ انسانی کے کاموں پر آمادہ کرنے کی مؤثر تلقین کی ہے۔آج جب کہ ہر نوجوان بچوں کے ہاتھوں میں اسمارٹ فون ہے،اور وہ اپنے نہایت قیمتی اوقات کو سڑک کے کنارے اور نکڑ پر ٹھہرے اسمارٹ فون پر نگاہ جمائے برباد کررہے ہیں،سرسید کی یہ کہانی بڑی مفید اور عبرت خیز ثابت ہوسکتی ہے۔

طالبِ علموں کے نام ایک خط،، میں بھی سرسید نے وقت اور موقع کی قدر و قیمت کی نصیحت تمثیلی واقعہ کے ذریعہ کی ہے،چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> بہت دفعہ ریلوے اسٹیشن گیا۔ٹرین کو جانے کے لیے تیار دیکھا۔مسافر گٹھری باندھے سوار ہونے کے لیے تیاری کررہے ہیں اور بہت سے اپنی منزلِ مقصود پر پہنچنے کے لیے خوشیاں منارہے ہیں۔اتنے میں انجن نے سیٹی دی اور گھنٹی ٹن ٹن کر ریل یہ جا وہ جا۔اب دیکھا تو نہ وہ ٹرین ہے نہ وہ رونق،اسٹیشن پر ایک پژمردگی اور اداسی کا عالم ہے۔یہ نہ سمجھا کہ یہ ٹرین زندگی کی رفتار سے خبر دیتی ہے۔جو لوگ کہ سوار ہوئے ہیں وہ مسافرِ ملکِ عدم ہوئے اور جو آئے ہیں وہ واردانِ ملکِ ہستی ہیں۔اب جب کہ سمجھ آئی اور تجربہ ہوا تو وہ زمانہ رہا نہ وہ طاقت رہی۔اب جب کہ کسی اسکول یا کالج کی عمارت کے پاس سے گزرتا ہوں اور طالبِ علموں کے پڑھنے کی آواز میرے کان میں پڑتی ہے تو کھڑا ہو جاتا ہوں اور سرد آہ بھر کر کہتا ہوں کہ افسوس اب میں دوبارہ لڑکا نہیں ہوسکتا۔کیا اچھا ہو کہ میں اس تحریر کے ساتھ پھر زندگی کا ازسرِنو سفر شروع

کروں۔اب کیا ہو سکتا ہے۔پس اے طالبِ علمو!اور میرے ملک کے ہوشیار امیدوارو!میں حسرت کے ساتھ تم سے مخاطب ہوں کہ میری تلف شدہ عمر تمھارے رستہ میں نوٹس بورڈ ہو جس پر درج ہو کہ۔۔خبردار اس طرف خطرہ ہے سنبھل کر چلو۔(۹)

ٹرین کی تمثیل دینے کے بعد سرسید نے خود کا تجربہ بیان کر کے طالبِ علموں کو درسِ عبرت دیا ہے کہ وہ اسکول اور کالج کے دنوں کو بے کار کاموں میں ضائع نہ کریں،تاکہ اسکول سے نکلنے کے بعد اور بڑے ہونے کے بعد اسکول اور کالج کے پاس سے گزرتے ہوئے حسرت اور آہ بھرنا پڑے کہ اے کاش میں دوبارہ لڑکا بن جاتا اور اب دوبارہ محنت اور لگن سے تعلیم حاصل کرتا۔

اسی طرح سرسید نے اپنے مضمون ''بحث وتکرار'' کی تمہید میں کتّے کی مجلس کی آپسی لڑائی کی تمثیل نہایت واضح اور دل نشیں انداز میں بیان کی ہے،سرسید نے بحث وتکرار جیسے سنجیدہ اور خشک موضوع کو تمثیلی پیرایہ سے شروع کر کے اسے نہایت دل چسپ بنا دیا ہے، جو کمزور سے کمزور طالبِ علم کے بھی آسانی سے ذہن نشیں ہو جاتا ہے۔

سرسید نے پوری زندگی قوم کو بیدار کرنے اور خوابِ غفلت سے جگانے میں صرف کی،اور جو نہ جاگے ان سے مایوس بھی نہیں ہوئے، بلکہ یہ امید رکھی کہ اینڈے پڑے پڑے تھوڑی دیر بعد جاگ اٹھیں گے،''تہذیب الاخلاق'' کے آخری پرچہ میں انھوں نے بہ طورِ تمثیل یہ بات سمجھائی:

بچے اٹھاتے وقت یہ کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم کو اٹھائے جاؤ گے تو ہم اور پڑے رہیں گے۔تم ٹھہر جاؤ ہم آپ ہی اٹھ کھڑے ہوں گے۔بچہ کڑوی دوا پیتے وقت بسور کر ماں سے کہتا ہے کہ بی یہ مت کہے جاؤ کہ شاباش پی لے۔پی لے۔تم چپ رہو میں آپ ہی پی لوں گا۔لو بھائیو!اب ہم بھی نہیں کہتے کہ اٹھو اٹھو۔پی لو۔پی لو۔(۱۰)

اس اقتباس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ سرسید کو بچوں کی نفسیات وعادات کا بخوبی علم تھا،اور وہ اس نفسیات کے ذریعہ بچوں اور بڑوں دونوں کا علاج کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔

چوں کہ سرسید کا پیغام پوری قوم وملّت کے لیے تھا،اس لیے انھوں نے بہ طورِ خاص بچوں کے لیے نہیں لکھا،لیکن انھوں نے جو کچھ لکھا اس کا بالواسطہ اثر بچوں کے ادب پر بھی پڑا،اور ان کے رفقا میں سے حالی،نذیر احمد،شبلی،محمد حسین آزاد،مولوی ذکاء اللہ اور بعد والوں میں اسماعیل میرٹھی وغیرہ نے اس کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا۔چنان چہ ڈاکٹر سید عبداللہ اپنی کتاب ''سرسید اور ان کے رفقا'' کے ضمیمہ میں بعنوان ''سرسید کا اثر ادبیاتِ اردو پر'' کے تحت لکھتے ہیں:

سرسید نے اپنے تصوّرات میں نیچر کو جو اہمیت دی،اس کا اثر انجمن پنجاب کی نیچر پرستی سے زیادہ دیرپا اور مستقل ہے،سرسید نے شاعرانہ طور پر ہی نہیں بلکہ علمی اور دینی

> بنیادوں پر نیچر کے تصور کو پھیلایا ہے۔ اگر قرآن خدا کا قول ہے تو نیچر خدا کا فعل ہے۔،، چناں چہ نیچر سے سرسید کے سب رفقا نے بڑے لگاؤ کا اظہار کیا۔شاعری میں اسمٰعیل میرٹھی نے نیچر کے مظاہر کو اپنے لیے مخصوص کر لیا تھا۔گویا ان کی شاعری سرسید کے مندرجہ بالا قول کا منظوم حاشیہ ہے۔(۱۱)

سید عبداللہ کے اس اقتباس میں انجمن پنجاب کا ذکر آیا ہے، جہاں منظّم انداز میں بچوں کے ادب کو وجود بخشنے کی شعوری کوشش کی گئی، محمد حسین آزاد اور حالی اس انجمن کے ناقابلِ فراموش حصہ رہے ہیں، اور اسمٰعیل میرٹھی بچوں کے ادب کے امام ہیں۔

بچوں کے ادب کے پہلے محقق ڈاکٹر خوشحال زیدی نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ سرسید کی تحریک کے زیرِ اثر ان کے رفقا نے بچوں کے ادب کی طرف اپنی اولین توجہ مبذول کی، چناں چہ ڈاکٹر زیدی تحریر کرتے ہیں:

> سرسید احمد کی تحریک کے تحت محمد حسین آزاد، خواجہ الطاف حسین حالی، ڈپٹی نذیر احمد اور مولوی ذکاء اللہ وغیرہ نے اردو میں مختلف اصناف اور موضوعات پر خامہ فرسائی کی، ان لوگوں کی تحریروں میں بچوں کے لیے بھی بہت سی تخلیقات نظم و نثر میں موجود ہیں۔(۱۲)

ڈاکٹر خوشحال زیدی نے بچوں کے ادب کے تئیں رفقاءِ سرسید کی خدمات کا جائزہ لینے کے ساتھ ان میں سرسید اور ان کی تحریک کو بھی شامل کیا ہے، چنان چہ وہ لکھتے ہیں:

> حالی، آزاد، نذیر احمد، شبلی اور ذکاء اللہ کے ساتھ یہاں سرسید احمد خان کا ذکر کرنا ناگزیر ہے، جنھوں نے اپنے رسالے تہذیب الاخلاق کے ذریعہ قوم کی اصلاح اور بیداری کا کارنامہ انجام دیا ہے۔ اگر چہ سرسید احمد خان نے بچوں کے لیے اپنے ہم عصروں کی طرح باقاعدہ نہیں لکھا، تاہم ''تہذیب الاخلاق'' میں ان کے قلم سے نکلے ہوئے ایسے ہلکے پھلکے مضامین بھی ملتے ہیں جو بچوں کے لیے مفید ہیں۔ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ نذیر احمد، حالی اور شبلی کے ادبی کارنامے سرسید احمد خان کی تحریک ہی کا نتیجہ ہیں۔ جس میں ''ادبِ اطفال'' بھی شامل ہے۔بیسویں صدی کے آغاز سے آزادیٔ ہند تک بچوں کے ادب پر جس قدر کام ہوا ہے اس پر کسی نہ کسی زاویے سے سرسید تحریک اثر انداز رہی ہے۔(۱۳)

برٹینیکا جونیر انسائیکلو پیڈیا، شفیع الدین نیّر اور ڈاکٹر خوشحال زیدی کے مطابق بچوں کا ادب صرف وہی نہیں جو خاص طور پر بچوں کے لیے لکھا جائے، بلکہ نظم و نثر کا وہ ذخیرہ جو اپنی معنویت اور افادیت کے اعتبار سے بچوں کے لیے موزوں ہو، یا

جن کو موضوع، زبان اور آسان اسلوب کے اعتبار سے بچوں کے اسکولی نصاب میں شامل کیا گیا ہو، وہ بھی بچوں کے ادب میں شامل ہے۔(۱۴)

ان اعتبارات سے بچوں کی درسی کتب میں سرسید کے کئی مضامین ابتدا تا حال شامل کیے جاتے رہے ہیں،(۱۵) خود راقمِ تحریر نے ان کے مضامین اور تمثیلی کہانی جیسے ''خوشامد'' اور ''گزرا ہوا زمانہ'' سرکاری مدرسہ میں بچوں کو پڑھایا ہے، اور بچوں نے دل چسپی سے پڑھا ہے۔ اس طرح سادگی، سلاست، صراحت، صفائی، بے تکلّفی اور رواں اسلوبِ تحریر پر مشتمل سرسید کے مندرجہ ذیل مضامین بچوں کے ادب میں اوّلیت کا درجہ رکھتے ہیں:

امیّد کی خوشی، جاڑا، بحث و تکرار، ریا کاری، خوشامد، اخلاق، ہماری حالت، تعلیم و تربیت، گزرا ہوا زمانہ، تہذیب، تربیتِ اطفال، رسم و رواج، نوروز، کارخانۂ قدرت اور طالبِ علموں کے نام ایک خط وغیرہ۔

حواشی:

(۱) ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، بچوں کے ادب کی تاریخ (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۵۲

(۲) سید عبداللہ، سرسید اور ان کے نامور رفقا (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۱ء)، ص ۱۲۔۱۳

(۳) سنبل نگار، اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء)، ص ۳۰

(۴) ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، محولۂ بالا، ص ۱۵۱

(۵) سرسید احمد خان، انتخابِ مضامینِ سرسید (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۶ء)، ص ۹۰۔۹۱

(۶) ایضاً، ص ۹۱۔۹۲

(۷) ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی، محولۂ بالا، ص ۱۵۲

(۸) سرسید احمد خان، انتخابِ مضامینِ سرسید، محولۂ بالا، ص ۸۴

(۹) سرسید احمد خان، مضامینِ سرسید، مرتب: عزیز الدین اختر (علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، س ن)، ص ۴۹۔۵۰

(۱۰) سرسیّد احمد خان، انتخابِ مضامینِ سرسید، ص ۱۲۴

(۱۱) سیّد عبداللہ، محولۂ بالا، ص ۳۰۲

(۱۲) ڈاکٹر خوشحال زیدی، اردو میں بچوں کا ادب (کان پور: ادارۂ بزمِ خضرِ راہ، ۱۹۸۹ء)، ص ۱۷۴

(۱۳) ایضاً، ص ۱۸۲

(۱۴) ایضاً، ص ۲۸۔۳۴

(۱۵) دیکھیے: بچوں کے ادب کی تاریخ، ص ۱۵۲، اردو میں بچوں کے ادب کی اینتھولوجی، از ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ص ۴۴، بہار میں بچوں کا ادب، از ضیاء الرحمٰن غوثی، ص ۴۷، سہ ماہی مژگاں، کلکتہ، مدیر: نوشاد کامل، ادبِ اطفال نمبر، ص ۷

مآخذ:

(۱) اسرارالحق سبیلی، سیّد، ڈاکٹر، بچوں کے ادب کی تاریخ، دہلی؛ ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۶ء
(۲) عبداللہ، سیّد، سرسید اور ان کے نامور رفقا، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۱ء
(۳) نگار، سنبل، اردو نثر کا تنقیدی مطالعہ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۲۰۰۷ء
(۴) خان، سرسیّد احمد، انتخابِ مضامینِ سرسید، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۹۶ء
(۵) ـــــــ، مضامینِ سرسید، مرتبہ عزیزالدین اختر، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، س ن
(۶) زیدی، خوشحال، ڈاکٹر، اردو میں بچوں کا ادب، کان پور؛ ادارۂ بزمِ خضرِ راہ، ۱۹۸۹ء

اخبارات و رسائل

(۱) سہ ماہی مژگاں، کلکتہ، ادبِ اطفال نمبر